امریکہ اور وسطی ایشیا

امریکہ کو اب وسطی ایشیا کی چھ مسلم جمہوریاؤں قازقستان' ازبکستان' ترکمانستان' آزربائی جان' ارغیرستان اور تاجکستان کی جانب سے گہری تشویش لاحق ہوگئی ہے جن کی مجموعی آبادی ۵۶۶۲ ملین ہے۔ امریکی وزیر خارجہ جیمز بیکر نے ان جمہوریاؤں کا دورہ بھی کیا۔ اب وہاں کے حالات' سفارتی و اقتصادی صورت حال پر امریکہ کی گہری نظر ہے۔ امریکیوں نے جب یہ محسوس کیا کہ متعدد مسلمان ممالک نے جن میں پاکستان' سعودی عرب' ایران اور لیبیا اور ترکی شامل ہیں' اپنے وفود وہاں بھیجے ہیں تا کہ مشترکہ مذہبی رشتوں کو مضبوط بنایا جا سکے تو اس نے بھی وہاں اپنے وزیر خارجہ کو بھیج دیا۔ مبصرین نے' جو یہ چاہتے ہیں کہ امریکہ سوویت یونین کے ٹوٹنے کا فائدہ اٹھائے' بش انتظامیہ پر زور دیا ہے کہ وہ ان علاقوں کو نظر انداز نہ کرے جن کی جنگی اہمیت بھی ہے اور جن کے پاس وسائل بھی ہیں۔ امریکہ نے ان ملکوں کو اہمیت دیتے ہوئے فی الحال وہاں اپنے سفارتی "دفاتر" قائم کیے ہیں۔ ان دفاتر کی نوعیت یہ ہے کہ بعض تو محض یک رکنی عملہ اور کمرہ پر مشتمل ہیں اور بعض چند افراد اور کرایہ کے فلیٹ پر۔ امریکہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ بین الاقوامی مالیاتی فنڈ اور عالمی بنک میں ان ممالک کی رکنیت میں مدد دے گا۔ لیکن ان گروپوں کا منہ بند کرنے کے لیے جو ان مسلم ممالک سے قریبی تعلقات کے مخالف ہیں' بعض مبصرین نے کہا کہ امریکی اقتصادی اقدامات کو صرف سیاسی کارروائی سمجھنا چاہیے کیونکہ بش انتظامیہ نے ان جمہوریاؤں سے کہا ہے کہ وہ زندگی کے مختلف پہلوؤں پر تفصیلی شماریاتی مواد فراہم کریں اور اس مواد کی تکمیل میں کئی برس لگ جائیں گے۔ ایک مبصر نے کہا کہ یہ طویل عمل ہوگا۔ اس نے کہا کہ اس کے لیے ان ممالک کے لوگوں کو اقتصادی امداد کے محض فارم پر کرنے اور انہیں سمجھنے کے لیے تعلیم کے عمل سے ہمکنار کرنا ہوگا۔ امریکہ کو علم ہے کہ ان ممالک کی مجموعی قومی پیداوار کیا ہے لیکن اس کے باوجود اس خطہ میں مضبوطی سے قدم جمانا چاہتا ہے۔ اس کی اہم وجوہ یہ ہیں۔ بیشتر امریکی مبصرین کو یقین ہے کہ اسلام تیزی کے ساتھ ان ممالک کے عوام میں سوویت یونین کے خاتمہ کی بنا پر پیدا ہونے والے نظریاتی خلا کو پر کر رہا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ۸۵ء میں جب گورباچوف اقتدار میں آئے تو سمرقند میں صرف تین مساجد میں نماز ہوتی تھی۔ آج اسی شہر میں ۱۰۵ مساجد ہیں۔ بعض اطلاعات کے مطابق گزشتہ دو برسوں میں وسطی جمہوریاؤں میں مساجد کی تعداد دوگنی ہو کر دو ہزار تک پہنچ گئی ہے۔ امریکی حکومت

نے ان لوگوں کی بھرتی پہلے ہی شروع کر دی ہے جو وسطی ایشیائی ممالک کی مختلف زبانیں جانتے ہیں تا کہ خطہ کے عوام میں اسلام کی طاقت اور اس کی کمزوریوں کا عمل ہو سکے۔ بیکر نے اپنے دورہ میں کہا تھا کہ "میرے خیال میں ان ممالک میں اسلام کی جڑیں زیادہ گہری نہیں ہیں اور یہ کہ اس خطہ میں بنیادی امریکی مقصد اور حکمت عملی یہ ہونی چاہیے کہ یہاں ایرانی اثرات کا راستہ روکا جائے۔" اس بیان پر ایک جریدہ نے کڑی نکتہ چینی کی۔ ان علاقوں سے ملنے والی اطلاعات کے مطابق عرب ملک اور ایران ان ممالک میں اپنی مقبولیت بڑھانے کے لیے کوشاں ہیں اور پاکستان بھی ایسا ہی کر رہا ہے اور اس نے اسلامی مواد اور معلمین نیز کاروبار کو ایک ساتھ وہاں بھیج کر نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ اس صورت حال میں شریک ایک اور اہم ملک ترکی ہے جس کے بیشتر جمہوریاؤں سے تاریخی رشتے رہے ہیں لیکن اس کے پاس ایسے وسائل نہیں جو ان ممالک تک پہنچائے جا سکیں۔ دوسری جانب امریکی محکمہ خارجہ گہری توجہ کے ساتھ اس صورت حال کو دیکھ رہا ہے۔ بظاہر عندیہ ہے کہ اسلام طویل عرصہ کے سیکولرازم کا محض ابتدائی رد عمل ہوگا اور اس سے بچنے کے لیے کام لیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ازبکستان کے صدر کریموف ازبک کمیونسٹ پارٹی کے سابق جنرل سیکرٹری ہیں اور وہ اقتصادی ترقی کے لیے سیکولر ترکی کے نظام کے حامی ہیں۔ انہوں نے انقلابی اسلامی پارٹی کو غیر قانونی قرار دے دیا۔ امریکی انتظامیہ سمجھتی ہے کہ ان خطوں کی اسلامی تحریکوں میں پیدا ہوگیا ہے۔ بیکر کے وفد کو کریموف سے بات چیت کر کے بہت خوشی ہوئی تھی کیونکہ حقوق انسانی اور جمہوریت پر مشتمل نظام کے لیے انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ. مغربی سفارت کاروں نے جو اس خطہ سے واقف ہیں' جتایا کہ اسلام ان ممالک میں محض ایک فیشن ہے۔ یہ علاقے ۷۰ سالہ سیکولرازم کے بعد اس قدر اسلامی ہو ہی نہیں سکتے۔ سفارت کار کہتے ہیں کہ اسلامی علماء میں کے جی بی اور سوویت یونین کا اتنا اثر و نفوذ تھا کہ اب کوئی ایسا روحانی رہنما باقی نہیں جو شکوک و شبہات سے بالاتر ہو۔ ان کا کہنا ہے کہ "مسلم برادرہڈ" جیسی تنظیمیں جو تقریباً" ہر عرب ملک میں ہیں' اس خطہ میں نہیں پائی جاتیں۔ وہ کہتے ہیں کہ اگرچہ تاجکستان کے پاس سب سے زیادہ ترقی یافتہ سیاسی نظام ہے لیکن اس کے مشکل جغرافیائی حالات نے اسے وسطی ایشیا کی سیاست کے مرکزی دھارے سے علیحدہ کر رکھا ہے۔ سفارت کاروں نے یہ اطلاع بھی دی کہ وادیٔ فرغانہ ازبکستان' کرغیزستان اور تاجکستان کی سرحد تک پھیلی ہے اور اس میں منظم سیاسی تحریک بھی پائی جاتی ہے لیکن اس کی جغرافیائی صورت حال بھی اسے دیگر جمہوریاؤں سے دور رکھتی ہے۔ مغرب کو ان جمہوریاؤں میں کسی سیکولر تحریک کے تصور سے بہت تقویت پہنچتی ہے۔ وہ اس ضمن میں ازبکستان کی یونٹی پارٹی اور فری ول پارٹی کا حوالہ دیتا ہے۔ ان پارٹیوں کو مسلم جمہوریاؤں کے روسی طبقات کی

حمایت حاصل ہے۔ امریکہ کو ان خطوں میں اقلیتوں کے کردار سے بھی بہت دلچسپی ہوگی۔ امریکہ اور مغربی ممالک رشین اور آرمینائی باشندوں کی لڑائی خاموش تماشائی بن کر دیکھ رہے ہیں جو وہ آزربائی جان کے لوگوں سے نگورنو کاراباخ میں لڑ رہے ہیں۔ یہ آزربائی جان کا وہ علاقہ ہے جہاں آرمینائی بڑی تعداد میں آباد ہیں۔ لیکن یہ لوگ آزربائی جان کے مسلمانوں کے خلاف تشدد میں مصروف رہے ہیں۔ مرنے والوں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ ہو چکی ہے لیکن بش انتظامیہ اور دیگر مغربی ممالک نے یہ کہہ دیا ہے کہ وہ لبنان جیسی اس صورت حال میں ملوث نہیں ہونا چاہتے۔ عیسائی مشنری پہلے ہی اپنے اس منصوبہ کا اعلان کر چکے ہیں کہ وہ مسلم جمہوریاؤں میں جا کر وہاں کے لوگوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کریں گے۔ عراق پر امریکی بمباری کے بعد ان عیسائی گروپوں نے جو کچھ کہا تھا' وہی کچھ اب بھی کہا ہے کہ اب عیسائیت کی تبلیغ کے لیے انہوں نے بھاری رقوم جمع کر لی ہیں۔ امریکی تجزیہ نگاروں کو خصوصیت سے قازقستان کے معاملہ میں بہت تشویش لاحق ہے کیونکہ وہ پانچ سابق جمہوریاؤں میں واحد ہے جس کے پاس ایٹمی ہتھیار ہیں۔ اس پر کڑی نظر رکھی جا رہی ہے۔ بعض جمہوریاؤں نے اپنے ایٹمی ہتھیار ماسکو کے سپرد کرنے پر آمادگی ظاہر کی ہے لیکن قازقستان نے ایسا نہیں کیا۔ نیز ایرانی' پاکستانی اور لیبیا کے باشندے آزادی کے ساتھ اس جمہوریہ میں آجا رہے ہیں۔ اس پر امریکہ بہت پریشان ہے۔ امریکی تجزیہ نگار کو اس پر بھی تشویش ہے کہ نظریاتی میدان میں اب مسلم جمہوریاؤں میں گہری نسلی اور ثقافتی وابستگی نہیں پائی جاتی جیسی کہ دیگر نو آزاد ممالک میں ہے۔ ۷۰ برس کے روسی اثرات کے بعد اب بھی صرف اسلام ہی وہ واحد قوت ہے جس کے ذریعے یہاں کے لوگ اپنی شناخت کرا سکتے ہیں۔ اور متحد رکھنے والا یہ نظریہ امریکیوں کے بقول مسلمان بنیاد پرستوں اور جنگجو انتہاپسندوں کو تقویت دے گا۔ امریکہ کو اس نوع کے بیانات سے بھی تشویش ہے جو وہاں کے مسلمانوں کی جانب سے دیے جا رہے ہیں۔ مثلاً" ریاضی کے ایک ۳۷ سالہ استاد احمدوف نے کہا کہ ہم تو ہمیشہ سے مسلمان تھے۔ ہم نے اس کا اظہار اس لیے نہیں کیا کہ ایسا کرنے کی ممانعت تھی۔ لیکن اسلام کی جڑیں ہمارے اندر ہمیشہ رہی ہیں۔ ایک ۲۷ سالہ کسان نے کہا کہ "عوام کو قرآن مجید کی تعلیمات پر یقین ہے۔ یہ ہمارا آئین ہے۔ ہم حقیقی آئین چاہتے ہیں جو قرآن مجید پر مبنی ہو۔" امریکہ کے لیے تو فرق صرف یہ پڑا ہے کہ کمیونسٹوں کی جگہ اسلام نے لے لی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ کو ان جمہوریاؤں سے تشویش لاحق ہے۔

(روزنامہ جنگ لندن ۱۶ مارچ ۹۲ء)